INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 4, Issue 3, 2026

پسند کی شادی کے موجودہ مسائل اور خاندانی تنازعات: اسلامی اصولِ نکاح کی روشنی میں ایک مطالعہ

Muhammad Junaid Iqbal[*1], Abubakar Saddiq[2], Dr Wajid Ali Assistant Professor[3]

[*1,2]*M.Phil. Scholar Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan*
[3]*Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan*

[*1]junaidaswi@gmail.com, [2]aaaaabubakrmalik@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

Corresponding Author: *
Muhammad Junaid Iqbal
DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.21551296

Received	Accepted	Published
01 January 2026	17 March 2026	31 March 2026

ABSTRACT

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً

And of His signs is that He created for you from yourselves mates that you may find tranquility in them ; and He placed between you affection and mercy.[1] ".

The institution of Nikah rests upon spiritual tranquility and mutual compassion. Today, the Muslim family structure faces a profound crisis. Young individuals increasingly exercise their right to choose their spouses, a practice culturally labeled as love marriage. This shift clashes violently with deeply rooted traditions, triggering boycotts, emotional trauma, and extreme family severances. Our socio-legal exploration looks at this contemporary tension through the lens of Islamic jurisprudence. By examining classical texts and current societal realities, the discussion uncovers how cultural rigidity–such as caste prejudices and material demands–wrongfully stifles legitimate marital choices. The Qur'an warns against such oppressive boundaries. Allah commands فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ, *translated as "do not prevent them from marrying their husbands when they agree between themselves in a lawful manner.[2] "Islamic law champions a delicate equilibrium. It fully recognizes the independent consent of a mature woman while simultaneously valuing the protective wisdom of guardianship (Wilayah). We see a tragic pattern where young couples rush into decisions out of romantic idealism, ignoring true compatibility (Kafa'ah). Parents react with absolute authoritarianism. Both extremes destroy the family fabric. The way forward requires reviving the Prophetic tradition of consultation. Pre-marital counseling and institutionalized family arbitration are not just modern needs; they reflect the core of Islamic dispute resolution. True familial harmony emerges only when the emotional rights of the youth blend naturally with the experienced guidance of elders, shielding the sacred bond of marriage from both rebellious individualism and oppressive customs.*

Keywords: *Nikah, Kafa'ah, Wilayah, Marital Conflicts, Islamic Family Law, Spousal Consent.*

تعارف

انسانی معاشرت کی بقا، ارتقاء اور تسلسل کا مکمل انحصار ایک مضبوط اور مستحکم خاندانی نظام پر استوار ہے۔ کائنات کے اس بنیادی سماجی یونٹ کی تشکیل کے لیے دینِ اسلام نے جو جامع ضابطہ عطا کیا ہے، وہ عقلِ سلیم اور انسانی فطرت کا حسین ترین امتزاج ہے۔ خاندانی نظام کی بنیاد نکاح کے معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ یہ رشتہ محض دو افراد کے مابین کوئی عارضی دیوانی معاہدہ یا دنیاوی مفادات کا سودا نہیں ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے اسے ایک مقدس میثاق، عبادت اور روحانی رفاقت کا اعلیٰ درجہ دیا ہے۔ نکاح کے ذریعے دو بالکل اجنبی انسان ایک ایسے مضبوط بندھن میں جڑ جاتے ہیں جہاں سکون، ہمدردی، ایثار اور باہمی احترام ان کی پوری زندگی کا محور بن جاتا ہے۔ انسان طبعی طور پر تنہائی سے خوفزدہ رہتا ہے اور اپنی ذات کی تکمیل کے لیے ایک ایسے ساتھی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے جو اس کے دکھ سکھ کا امین بن سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رشتے کی نفسیاتی، جذباتی اور روحانی بنیادوں کو اپنے کلامِ پاک میں نہایت بلیغ اور خوبصورت انداز میں واضح فرمایا ہے۔ قدرتِ خداوندی کا یہ عظیم شاہکار انسانی رشتوں کی نزاکت کو بیان کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"[3]

عظیم مفسر امام قرطبی اس قرآنی آیت کی تشریح کرتے ہوئے انسانی نفسیات کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ مودت اور رحمت وہ عطیہِ خداوندی ہے جو نکاح کے بابرکت رشتے کے وجود میں آنے کے بعد زوجین کے دلوں میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے بازار سے خریدا جا سکے یا طاقت کے زور پر حاصل کیا جا سکے[4]۔ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی انسانی ضرورت کی تکمیل اور معاشرتی پاکیزگی کے لیے تجرد کی زندگی اور رہبانیت کو سختی سے مسترد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات میں نکاح کو دین کا نصف حصہ قرار دیا گیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں یہ اصول بالکل واضح کر دیا گیا ہے:

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

ترجمہ: "نکاح میری سنت ہے، پس جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"[5]

معاشرے میں رشتوں کے انتخاب کا مسئلہ ہمیشہ سے انتہائی حساس اور پیچیدہ رہا ہے۔ قبل از اسلام، جاہلیت کے تاریک دور میں بیٹیوں کے فیصلے ان کے سرپرست انتہائی مطلق العنان ہو کر کرتے تھے۔ عورت کو کسی بھی طور کوئی آزاد حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اسے خاندانی جائیداد کا ایک بے جان حصہ سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس جبر کی مکمل بیخ کنی کی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اس حوالے سے انسانیت کے لیے ایک روشن باب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورت کو اس کی ذات کا شعور دیا اور اسے اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق تفویض کیا۔ تاریخِ اسلام میں حضرت خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ اس حقِ انتخاب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ان کے والد نے ان کی مرضی کے برخلاف ایک جگہ ان کا نکاح کر دیا۔ وہ خاتون اپنے اس رشتے سے ناخوش تھیں اور انہوں نے خاموشی سے اس ظلم کو سہنے کے بجائے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا۔

أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ، فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ نِكَاحَهَا

ترجمہ: "ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ ثیبہ (بیوہ/مطلقہ) تھیں۔ انہوں نے اسے ناپسند کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس نکاح کو رد (فسخ) کر دیا۔"[6]

اس تاریخی اور فقہی فیصلے نے ہمیشہ کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی خاندانی نظام میں فرد کی ذاتی پسند اور دلی رضا کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ جبر کے تحت باندھا گیا کوئی بھی رشتہ کبھی دیرپا ثابت نہیں ہو سکتا۔ شریعت انسان کو گھٹن میں مبتلا نہیں کرتی۔ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے لطیف جذبات ایک فطری عمل ہیں۔ جذبات کی اس اندھی رو کو روکنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ معروف شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب نے انسانی دل کی اس بے قابو کیفیت اور محبت کی طاقت کو کیا خوب بیان کیا ہے:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے[7]

یہ جذباتیت جب خاندان کے طویل تجربے اور بزرگوں کی بصیرت سے ٹکراتی ہے تو سوسائٹی میں ایک شدید بحران جنم لیتا ہے۔ جدید عہد کے مسلم معاشرے بالکل اسی تصادم کی زد میں ہیں۔ ایک طرف نوجوان نسل اپنی جذباتی پسند کو حرفِ آخر سمجھتی ہے اور دوسری طرف روایتی خاندانی نظام اپنی صدیوں پرانی رسومات کو بچانے کے لیے جبر اور سختی کا سہارا لیتا ہے۔ یہ فکری اور عملی کشمکش محض انفرادی سطح تک محدود نہیں رہی۔ اس نے پورے معاشرتی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ عدالتوں میں خلع اور طلاق کے مقدمات کے انبار اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم خاندانی اقدار اور انفرادی آزادی کے درمیان توازن قائم رکھنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔

پسند کی شادی کا مروجہ رجحان

بیسویں صدی کے اواخر اور موجودہ اکیسویں صدی کے دوران برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی اور ثقافتی ساخت میں زبردست تغیرات رونما ہوئے ہیں۔ دیہاتوں سے شہروں کی طرف وسیع پیمانے پر ہجرت، تیز ترین صنعت کاری اور مشترکہ خاندانی نظام کا بتدریج زوال اس تبدیلی کی چند نمایاں وجوہات ہیں۔ ماضی کے سماج میں خاندانی بزرگوں کا فیصلہ اٹل تصور کیا جاتا تھا۔ نوجوان اسے بلا چوں چرا تسلیم کر لیتے تھے کیونکہ ان کی معاشی اور سماجی بقا اسی خاندانی دائرے سے وابستہ تھی۔ آج کا منظر نامہ یکسر بدل چکا ہے۔ نوجوان نسل مغربی تعلیم اور گلوبلائزیشن کے زیرِ اثر انفرادی حقوق کے تصور سے شدت کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں خود مختاری چاہتی ہے۔

انگریز ماہر عمرانیات انتھونی گڈنز جدید معاشرے میں رشتوں کی اس تشکیلِ نو پر گہرا تبصرہ کرتے ہیں۔ وہ خاندانی رشتوں میں آنے والی اس سرد مہری اور انفرادیت کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"In modern society, relationships are formed on the basis of individual choice and emotional satisfaction rather than traditional obligations[8]".

INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 4, Issue 3, 2026

اس شدید انفرادیت پسندی نے نوجوانوں کی نفسیات کو بہت گہرا متاثر کیا ہے۔ تعلیمی اداروں کا موجودہ مخلوط ماحول اس رجحان کو پروان چڑھانے کی ایک بڑی اور عملی وجہ ہے۔ یونیورسٹیز، کالجز اور دفاتر میں مختلف خاندانی اور معاشی پس منظر سے تعلق رکھنے والے نوجوان طویل وقت ایک ساتھ گزارتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے خیالات سنتے ہیں اور تعلیمی وپیشہ ورانہ منصوبوں پر اکٹھے کام کرتے ہیں۔ اس مسلسل میل جول کے نتیجے میں ان کے مابین فکری ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ بہت جلد محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کے خیالات آپس میں ملتے ہیں۔ یہی ذہنی مطابقت رفتہ رفتہ جذباتی وابستگی میں بدل جاتی ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے اس نوعیت کے آزادانہ اختلاط سے اسی لیے منع فرمایا تھا کہ انسان طبعی طور پر کمزور واقع ہوا ہے۔ صنفِ مخالف کی قربت اور بار بار کی تنہائی فتنے کے دروازے کھول دیتی ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے تنہائی کی ملاقاتوں پر سخت پابندی عائد کی گئی ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان فاصلہ برقرار رکھنا دراصل خاندانی نظام کو تباہی سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ

ترجمہ: "کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے مگر یہ کہ اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو۔"[9]

جب سماجی حدود کی یہ پاسداری ختم ہو گئی تو معاشرے میں پسند کی شادی کا گراف بڑی تیزی سے اوپر چلا گیا۔ نوجوان کئی سال تک ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں۔ ان کے مابین مستقبل کے وعدے وعید ہوتے ہیں۔ ان کے مابین مستقبل کے وعدے وعید ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی خوبیوں سے تو واقف ہو جاتے ہیں مگر عملی زندگی کی خامیوں پر ان کی نظر نہیں جاتی۔ پھر وہ اچانک اپنے خاندان کے سامنے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ والدین کے لیے یہ اعلان ایک دھچکا ہوتا ہے کیونکہ وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

ذرائع ابلاغ اور ڈیجیٹل دور کا اس سارے عمل میں کردار بہت مرکزی اور تباہ کن ہے۔ ٹیلی ویژن ڈراموں، فلموں اور اب سوشل میڈیا کے ذریعے رومانوی محبت کو انسانی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی اور ایک مثالی شے بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اسکرپٹ رائٹرز عموماً کہانی میں جان ڈالنے کے لیے والدین کو ظالم، انا پرست اور قدامت پسند دکھاتے ہیں۔ خاندان کی روایات سے بغاوت کر کے بھاگ کر شادی کرنے والے نوجوانوں کو معاشرے کے ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مسلسل ذہنی یلغار نوجوان نسل کو عملی دنیا سے کاٹ کر ایک خیالی دنیا میں لے جاتی ہے۔ وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ شادی کے بعد کی زندگی بھی فلمی مناظر کی طرح خوبصورت اور تلخیوں سے مکمل پاک ہو گی۔ پروین شاکر نے خوابوں کی اس دنیا اور تلخ حقائق کے اسی تصادم کو بڑے لطیف انداز میں پیش کیا ہے۔ خوشبو کا ہوا میں بکھرنا آسان ہے، مگر پھول کا اپنی شاخ سے کٹ کر زندہ رہنا بہت کٹھن ہوتا ہے:

وہ تو خوش بو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا[10]

جب سوشل میڈیا کے مجازی رابطوں پر استوار ہونے والی یہ رومانوی شادیاں عملی زندگی کی کٹھن دہلیز پر قدم رکھتی ہیں، تو کرائے کے مکان کا حصول، بجلی کے بل، راشن کی فکر اور روزمرہ کی تھکا دینے والی ذمہ داریاں اس رومانوی طلسم کو بہت جلد توڑ دیتی ہیں۔ محبت کا بخار اترتے ہی تلخیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ نوجوانوں کی اس بغاوت اور معاشرتی بے راہ روی کی تمام تر ذمہ داری صرف انہی پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ روایتی خاندانی ماحول میں والدین کا ہٹ دھرم رویہ اور ان کی بے جا سختی بھی ان حالات کو جنم دینے میں برابر کی شریک ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندومت کے گہرے اثرات تلے ذات پات، قبیلے اور برادری کا ایک ایسا سفاک نظام کھڑا کر لیا ہے جس کی اسلام میں قطعی طور پر کوئی گنجائش نہیں ہے۔ والدین اپنی انا کی تسکین کے لیے اولاد کے لائے ہوئے دین دار اور با اخلاق پسندیدہ رشتوں کو محض اس لیے ٹھکرا دیتے ہیں کہ لڑکا یا لڑکی ان کی ذات، قبیلے یا معاشی مرتبے کے مطابق نہیں ہے۔ یہ جابرانہ رویہ نوجوانوں کے دلوں میں خاندانی نظام کے خلاف نفرت بھر دیتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی خاندانی اور معاشرتی رویوں کی اسی سختی پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔ وہ انسان کی اس بغاوت کو بیان کرتے ہیں **यखन** اسے دیوار سے لگا دیا جاتا ہے:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا[11]

نوجوان اپنے جذباتی فیصلوں پر اتنے ڈٹ جاتے ہیں کہ وہ والدین کی دہائیوں پر محیط شفقت، قربانیوں اور محبت کو ایک لمحے میں بھلا دیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ خاندانی پشت پناہی اور بزرگوں کی دعاؤں کے بغیر زندگی کا طویل سفر کتنا کٹھن ہے۔ والدین اور اولاد کے مابین بامقصد مکالمے کا یہ مکمل فقدان ایک سنگین المیہ ہے۔ گھروں میں اب وہ دوستانہ ماحول بالکل نہیں رہا جہاں بچے اپنے دل کی بات بلا خوف وخطر اپنے بڑوں کے سامنے رکھ سکیں۔ خوف اور گھٹن کے اس ماحول میں رابطے ٹوٹتے ہیں اور فاصلے بڑھتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں اپنا دکھ درد باہر کے دوستوں یا سوشل میڈیا کے اجنبیوں سے بانٹتے ہیں جو انہیں عموماً انتہائی غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ ان تمام فکری، معاشی اور معاشرتی عوامل نے مل کر پسند کی شادی کے روایتی تصور کو ایک ایسے پیچیدہ اور خونی تنازعے میں تبدیل کر دیا ہے جس کا سیدھا اثر مسلم خاندانی نظام کی جڑوں پر پڑ رہا ہے۔

نکاح میں فریقین کی رضامندی اور ولایت

اسلامی نظامِ حیات انسانی جذبوں کی جائز تسکین اور سماجی حدود کے مابین ایک نہایت خوبصورت اور عدیم النظیر توازن قائم کرتا ہے۔ نکاح کے حساس معاملے میں یہ توازن فرد کی ذاتی رضامندی اور خاندانی سرپرستی کے خوبصورت امتزاج کی صورت میں نظر آتا ہے۔ شریعت نے عورت کو جاہلیت کے اس تاریک دور سے نکالا جہاں وہ محض ایک وراثتی متاع

اور مرد کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے اسے مکمل انسان ہونے کا درجہ دیا اور اپنے شریکِ حیات کے انتخاب کا بنیادی حق عطا کیا۔ کوئی بھی باپ، بھائی یا سرپرست اپنی بالغ بیٹی پر زبردستی اپنا فیصلہ مسلط کرنے کا ہرگز مجاز نہیں ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دورِ مبارک میں جب بھی ایسا کوئی مقدمہ درپیش ہوا جہاں کسی عورت کی مرضی کو پامال کیا گیا ہو یا اسے زبردستی کسی ایسے رشتے میں باندھا گیا ہو جسے وہ ناپسند کرتی ہو، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فوری طور پر اس جبر کا قلع قمع فرمایا اور عورت کے حقِ انتخاب کو بحال کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی یہ حدیث اسلامی خاندانی قانون کی ایک مضبوط بنیاد ہے:

أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "ایک کنواری لڑکی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے (نکاح کو برقرار رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار دے دیا۔"[12]

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ عورت کی دلی آمادگی اور مکمل رضامندی نکاح کے انعقاد کی بنیادی شرط ہے۔ اس حقِ انتخاب کے ساتھ ساتھ اسلام نے "ولی" یعنی سرپرست کا نہایت دانشمندانہ تصور بھی متعارف کرایا ہے۔ ولی کا کردار کوئی جابرانہ یا آمرانہ اختیار نہیں ہے۔ یہ ایک حفاظتی حصار ہے جو لڑکی کو معاشرے کے بھیڑیوں سے بچاتا ہے۔ لڑکیاں بسا اوقات اپنی کم عمری، ناتجربہ کاری اور جذباتی پن کے سبب مردوں کی ظاہری چمک دمک یا وقتی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنا بہت بڑا نقصان کر بیٹھتی ہیں۔ ولی اپنی زندگی کے طویل تجربے، معاشرتی نشیب و فراز کی سمجھ اور مردانہ نفسیات کی گہری پہچان کے سبب لڑکی کو ایسے کسی بھی دھوکے یا استحصال سے بچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

معروف برطانوی مستشرق اور اسلامی قانون کے مایہ ناز ماہر نوئل جے کولسن اسلامی خاندانی نظام میں فرد کی آزادی اور خاندان کی شمولیت کے اس توازن پر نہایت گہرا تبصرہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"Marriage in Islamic law is essentially a civil contract, yet it is deeply embedded in the social fabric, requiring family validation to ensure stability[13]".

فقہائے کرام کے مابین بالغ عورت کی ولایت کے حوالے سے جو علمی اور فقہی مباحث پائے جاتے ہیں، وہ بھی اسی سماجی اور انفرادی حق کے گرد گھومتے ہیں۔ احناف کا نقطہ نظر اس حوالے سے بہت وسیع ہے۔ امام مرغینانی حنفی فقہ کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ ایک آزاد، عاقلہ اور بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرنے کا مکمل اختیار رکھتی ہے۔ اسے اس قانونی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ خاندان کے وقار اور استحکام کے پیشِ نظر اس پر کفو یعنی برابری کی شرط لازم کی گئی ہے تاکہ لڑکی کے غلط فیصلے سے خاندان کی عزت مجروح نہ ہو[14]۔

آج کے نوجوان اس گہرے خاندانی توازن کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ وہ اپنی پسند اور وقتی جذبات کی خاطر خاندان کے اس حفاظتی حصار کو توڑنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ جذباتی رو میں بہہ کر وہ والدین کے سالہا سال کے پیار اور قربانیوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے اس جذباتی کیفیت اور بغاوت کو کیا خوب الفاظ پہنائے ہیں جب انسان تمام بندھن توڑ کر اپنی خود ساختہ منزل کی طرف دیوانہ وار نکلتا ہے:

مقامِ فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے[15]

یہ وقتی جذباتیت جب عدالتوں میں جا کر خفیہ شادیوں کی شکل اختیار کرتی ہے تو میاں بیوی کے درمیان تلخیاں اور تنازعات پیدا ہونے پر انہیں سنبھالنے والا، ان کی رہنمائی کرنے والا کوئی بزرگ موجود نہیں ہوتا۔ ولایت اور رضامندی کا یہ متوازن شرعی تصور ہی دراصل وہ واحد راستہ ہے جو پسند کی شادی کو سماجی اور خاندانی تصادم سے بچا سکتا ہے۔

کفو کا معیار اور ذات پات کے تصورات کا تصادم

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی طویل تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہندو مت کے ساتھ صدیوں کے اختلاط نے مسلم سماج کو بھی ذات پات اور برادری کے شدید تعصبات میں جکڑ دیا ہے۔ ہندوؤں کے "ورن آشرم" یعنی طبقاتی نظام کی طرز پر مسلمانوں میں بھی سید، راجپوت، جٹ، آرائیں اور دیگر پیشوں کی بنیاد پر اونچی اور نیچی ذاتوں کے تصورات نے بڑی مضبوطی سے جنم لیا ہے۔ آج کے دور میں پسند کی شادی کے راستے میں سب سے بڑی اور ناگزیر دیوار یہی برادری اور ذات پات کا نظام ہے۔

والدین اپنی اولاد کے لیے رشتوں کا انتخاب کرتے وقت دین، اخلاق، سیرت اور کردار کو دیکھنے کے بجائے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکا یا لڑکی ان کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں۔ وہ خاندان کے باہر رشتہ کرنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس نسلی تفاخر اور جھوٹی انا کو اسلام نے چودہ سو سال قبل جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ قرآنِ مجید نے انسانوں کی قبائلی، خاندانی اور علاقائی تقسیم کو محض تعارف اور پہچان کا ذریعہ قرار دیا ہے، نہ کہ برتری اور فضیلت کا معیار۔ منشائے الٰہی اس حوالے سے بالکل واضح ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی (پرہیزگار) ہے۔ یقیناً اللہ خوب جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔"[16]

اس عظیم قرآنی مساوات کے باوجود، جب والدین ذات پات اور جھوٹی انا کی آڑ لے کر اولاد کے جائز اور شریفانہ رشتوں کو مسترد کرتے ہیں تو گھروں میں شدید بغاوت جنم لیتی ہے۔ شریعت نے نکاح کی پائیداری کے لیے "کفو" یعنی ہم پلہ ہونے کا جو خوبصورت اور عقلی اصول دیا تھا، اسے جاہل عوام الناس نے ذات پات اور مادیت کے سانچے میں ڈھال لیا۔ کفو کا مقصد مزاجوں کی ہم آہنگی تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کفو کا حقیقی، اخلاقی اور ابدی معیار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا، جس میں معاشرے کے استحکام کا راز پوشیدہ ہے:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ، وَفَسَادٌ عَرِيضٌ

ترجمہ: "جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو، تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور وسیع فساد برپا ہو جائے گا۔"[17]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ یہ فتنہ و فساد آج کے مسلم معاشرے میں طلاق، غیرت کے نام پر قتل، خاندانی دشمنیوں اور نوجوانوں کی نفسیاتی الجھنوں کی صورت میں پوری طرح عیاں ہے۔ امام کاسانی کفاءت کی فقہی بنیاد اور اس کے اصل سماجی مقصد پر بڑی عالمانہ روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کفاءت کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے تاکہ میاں بیوی کے درمیان الفت اور محبت قائم رہ سکے۔ ان کے رہن سہن اور مزاج میں اتنا شدید تصادم پیدا نہ ہو کہ زندگی اجیرن ہو جائے[18]۔ اس اصول کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ انسانیت کو اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں میں تقسیم کر کے شرفِ انسانیت کی توہین کی جائے۔

جان ایل ایسپوسیٹو جدید مسلم معاشرے میں ثقافتی روایات اور اسلامی اصولوں کے اس شدید ٹکراؤ کا سماجی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں نے اپنے ہی دین کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے:

"Cultural traditions often eclipse Islamic egalitarianism, transforming the institution of marriage from a bond of piety into an alliance of social stratification[19]".

برادری ازم کے اس بت کو توڑنے کی ضرورت پر مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں بڑی شدت سے زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک رنگ، نسل اور خون کی بنیاد پر قائم ہونے والے رشتے اور امتیازات امتِ مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ وہ نوجوانوں کو اس محدود دائرے سے نکل کر ایک وسیع تر اسلامی اخوت میں شامل ہونے کا درس دیتے ہیں:

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی[20]

جب خاندانی نظام محض رسوم و رواج اور دقیانوسی خیالات کی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے، تو وہ اپنی فطری لچک اور خوبصورتی کھو دیتا ہے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے اسی روایتی جمود کو توڑنے اور حقیقی توحیدی اصولوں کی طرف لوٹنے کا پیغام کچھ یوں دیا ہے کہ انسان کو رسوم پرستی سے آزاد ہونا چاہیے:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں[21]

اگر کفو کا معیار دین، اخلاق، سیرت اور مناسب معاشی استطاعت کو بنا لیا جائے تو پسند کی شادی کے وہ تمام تنازعات اسی لمحے دم توڑ جائیں گے جو محض ذات اور برادری کے فرق کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی جائز پسند کو جاہلانہ رسوم کے ترازو میں تولنے کے بجائے شریعت کی کسوٹی پر پرکھیں۔ صرف اسی صورت میں نکاح کا یہ مقدس رشتہ خاندانی جنگوں اور انا کی بھینٹ چڑھنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

والدین کی بے جا مخالفت اور اس کے معاشرتی اثرات

اولاد کے لیے والدین کے دل میں محبت، شفقت اور تحفظ کا جذبہ خالصتاً منشائے الٰہی اور قدرتِ خداوندی کا شاہکار ہے۔ وہ اپنے زندگی کے طویل تلخ و شیریں تجربات کی روشنی میں بچوں کو ہر دکھ اور تکلیف سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نہایت پاکیزہ اور فطری جذبہ ہے۔ یہ جذبہ اس وقت ایک سنگین معاشرتی مسئلے کا روپ دھار لیتا ہے جب تحفظ کی یہ خواہش ایک آمرانہ ضد، تسلط اور ہٹ دھرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے نکاح میں سرپرستی کا جو اہم حق والدین کو دیا ہے، اس کا بنیادی مقصد لڑکی کی عفت و ناموس کی حفاظت اور اس کے معاشی و سماجی حقوق کا دفاع کرنا ہے، نہ کہ انسان کی انفرادی اور شرعی آزادی کو مکمل طور پر سلب کر لینا۔

جب ایک بالغ، باشعور اور تعلیم یافتہ لڑکی اپنے لیے کسی دین دار، با اخلاق اور ہم پلہ شریکِ حیات کا انتخاب کرتی ہے اور اس کا سرپرست محض ذات پات، جھوٹی خاندانی انا، انتقام یا مادی لالچ کی بنیاد پر اس نکاح کی راہ میں بلاجواز دیوار بن جاتا ہے، تو شریعت کی اصطلاح میں اس استبدادی رویے کو "عضل" کہا جاتا ہے۔ عضل کے معنی ہیں کسی کو زبردستی روکنا یا

قید کرنا۔ قرآن مجید نے جاہلیت کے اس آمرانہ طرزِ عمل کی سخت ترین الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔ ربِ کائنات کا واضح اور دوٹوک فرمان ہے جو والدین اور سرپرستوں کی حدود کا تعین کرتا ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ

ترجمہ: "اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو انہیں اپنے (سابقہ یا پسندیدہ) شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، جب کہ وہ آپس میں معروف طریقے کے مطابق راضی ہو جائیں۔"[22]

اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول خاندانی انا اور شریعت کی اطاعت کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے پر نازل ہوئی۔ انہوں نے غصے اور خاندانی غیرت میں آ کر اپنی بہن کو اس کے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا تھا، حالانکہ دونوں فریقین اس رشتے پر دل سے راضی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس شخص نے ان کی بہن کو طلاق دے کر خاندان کی توہین کی ہے، اب وہ دوبارہ اس سے رشتہ نہیں جوڑیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی حکم نازل ہوا تو سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ذاتی انا اور غصے کو فوراً قربان کر دیا اور اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا[23]۔

فقہائے اسلام نے اس معاشرتی اور قانونی رویے کو نہایت باریک بینی سے پرکھا ہے۔ امام ابن قدامہ حنبلی عضل کی تشریح کرتے ہوئے اسلامی ریاست اور عدالت کے اختیار کو واضح کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر لڑکی اپنے ہم پلہ اور مناسب شخص سے شادی کا مطالبہ کرے اور ولی اسے زبردستی روکے، تو وہ ولی ظالم شمار ہو گا۔ اس ظلم کی بنا پر اس کا حقِ ولایت ساقط ہو جائے گا اور یہ اختیار قاضی یعنی اسلامی عدالت کی طرف منتقل ہو جائے گا تاکہ لڑکی کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے[24]۔

اس قانونی منتقلی کی اساس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وہ مبارک فرمان ہے جس نے خاندانی جبر کے شکار کمزور افراد کو ریاستی اور عدالتی تحفظ فراہم کیا۔ ریاست ان لوگوں کی وارث بنتی ہے جن کے اپنے ان پر ظلم کرتے ہیں:

فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ

ترجمہ: "پس اگر وہ آپس میں جھگڑا کریں (ولی رکاوٹ بنے)، تو حاکمِ وقت (قاضی) اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"[25]

والدین کی طرف سے اختیار کیا جانے والا یہ سخت جبر نوجوانوں کے ذہنوں میں شدید گھٹن پیدا کرتا ہے۔ وہ جس گھر اور خاندانی سائبان کو اپنی پناہ گاہ سمجھتے تھے، وہی انہیں ایک قید خانہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں معاشرتی جبر، انسان کی بے بسی اور اس اندرونی کرب کا نقشہ کچھ یوں ملتا ہے، جب فیصلہ کرنے والے ہی ظالم بن جائیں:

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں[26]

جب گھر کے اندر انصاف اور مکالمے کے دروازے مکمل طور پر بند ہو جاتے ہیں، تو نوجوان گھٹن سے بچنے کے لیے کھلی بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ وہ والدین کے اس استبداد کو توڑنے کے لیے غیر شرعی اور غیر اخلاقی راستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ وہ گھر چھوڑ دیتے ہیں، خفیہ شادیاں کرتے ہیں، جس کا نتیجہ بالآخر پورے خاندان کی شدید رسوائی اور عمر بھر کے پچھتاووں کی صورت میں نکلتا ہے۔

خاندان کا بائیکاٹ اور زوجین پر مرتب ہونے والے نفسیاتی و معاشی عوارض

شریعت نے جن سماجی اور اخلاقی حقوق پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، ان میں خونی رشتوں کا احترام اور صلہ رحمی سرفہرست ہیں۔ دینِ اسلام معاشرے کو جوڑنے کا نام ہے، توڑنے کا نہیں۔ پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کو ہمارے معاشرے میں ایک عجیب اور دردناک دوہرے معیار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ والدین اور برادری کے دیگر افراد اپنی انا کی تسکین کے لیے اولاد سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ خاندانی بائیکاٹ کا یہ ہتھیار محض ایک وقتی جذباتی ردعمل نہیں ہوتا۔ یہ نوجوان جوڑے کو سماجی اور معاشی طور پر مفلوج کرنے، انہیں سبق سکھانے اور انہیں ناکام ثابت کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش ہوتی ہے۔

قرآنِ مجید نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین پر فساد پھیلانے کو ایک ساتھ بیان کر کے اس عمل کی سنگینی اور اس کے تباہ کن اثرات کو واضح کیا ہے۔ جو لوگ رشتے توڑتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ

ترجمہ: "پس کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور اپنے ناطے (خونی رشتے) توڑ ڈالو گے؟"[27]

اس سخت قرآنی وعید کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان صلہ رحمی کی اہمیت اور قطع تعلقی کی سزا کو مزید دوچند کر دیتا ہے۔ خاندانی بائیکاٹ کرنے والوں کے لیے یہ حدیث ایک لمحۂ فکریہ ہے:

لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: "رشتہ توڑنے والا (صلہ رحمی کا انقطاع کرنے والا) جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"[28]

پسند کی شادی کرنے والی لڑکیوں کے لیے یہ خاندانی بائیکاٹ ایک ہولناک نفسیاتی صدمے کا باعث بنتا ہے۔ روایتی معاشرے میں رخصتی کے بعد لڑکی کے لیے اس کا میکہ ایک عاطفتی پناہ گاہ ہوتا ہے جہاں وہ اپنے دکھ سکھ بانٹ سکتی ہے۔ والدین کے بائیکاٹ کی وجہ سے وہ اس پناہ گاہ سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کے سسرال والے اس کی اس

بے بسی اور اکیلے پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسے ہر چھوٹی بات پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اس کا اپنا خاندان اسے چھوڑ چکا ہے لہٰذا اب اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

دوسری جانب، لڑکے کو بھی وراثت، گھریلو جائیداد اور خاندانی کاروبار سے فوری طور پر بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ اس پر گھر کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس اچانک بائیکاٹ کی وجہ سے وہ معاشی عدم استحکام کے ایک ایسے خوفناک بھنور میں پھنس جاتا ہے جہاں سے نکلنا اس کے لیے محال ہو جاتا ہے۔ روزگار کی تلاش اور گھر کے کرائے کا بوجھ اس کے اعصاب کو توڑ دیتا ہے۔

جدید خاندانی نفسیات پر تحقیق کرنے والے مغربی ماہرین اس بات پر پوری طرح متفق ہیں کہ خاندانی تعاون کے بغیر ازدواجی زندگی شدید خطرات کی زد میں رہتی ہے۔ معروف ماہر نفسیات جان گوائمین اس سماجی محرومی کے اثرات کو یوں بیان کرتے ہیں، جو ہمارے مشرقی خاندانی نظام کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے:

"The absence of an extended family support network places an unbearable emotional and economic burden on the newly married couple, often accelerating the breakdown of their relationship".[29]

اس شدید معاشی اور جذباتی تنہائی میں انسان اندر سے مکمل طور پر ٹوٹ جاتا ہے۔ میر تقی میر نے اپنوں کی طرف سے ملنے والی اسی بے اعتنائی، بیگانگی اور شدید تنہائی کے دکھ کو ان اشعار میں مجسم کر دیا ہے، جب اپنے ہی منہ پھیر لیتے ہیں:

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے[30]

میاں بیوی دونوں اس گھٹن، معاشرتی دباؤ اور بوجھ کو اکیلے سہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے درمیان جو وقتی رومانوی جذبہ شادی سے پہلے موجود تھا، وہ معاشی تنگیوں، یوٹیلٹی بلوں، کرائے کے مکان کے مسائل اور سماجی طعنوں کے بوجھ تلے دب کر بہت جلد دم توڑنے لگتا ہے۔ وہ شخص جو شادی سے قبل زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور منزل محسوس ہوتا تھا، وہی شخص اب ایک دوسرے کو اپنے تمام مصائب اور بربادی کا ذمہ دار نظر آنے لگتا ہے۔ محبت کی جگہ تلخی اور الزام تراشی لے لیتی ہے۔

عدالت میں کی گئی شادیاں اور طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح

خاندانی سرپرستی، بزرگوں کی دعاؤں اور سماجی تعاون سے محروم ہونے والے جوڑے عموماً اپنے تحفظ اور شادی کو قانونی شکل دینے کے لیے عدالتوں کا رخ کرتے ہیں۔ کورٹ میرج کا یہ عمل بظاہر انہیں فوری قانونی اور کاغذی تحفظ تو فراہم کر دیتا ہے، ریاست کے نزدیک وہ میاں بیوی تسلیم کر لیے جاتے ہیں، لیکن یہ رشتوں کی روحانی، اخلاقی اور سماجی بنیادوں کو بالکل کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جب ان جوڑوں کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے اور ان کے مابین مزاج، عادات یا توقعات کا تصادم ہوتا ہے، تو ان کی رہنمائی اور صلح کرانے کے لیے خاندان کا کوئی تجربہ کار بزرگ موجود نہیں ہوتا۔

قرآنِ کریم نے میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کو سلجھانے کے لیے عدالتوں کے بجائے ایک باقاعدہ خاندانی عدالت کا تصور پیش کیا ہے۔ یہ نظام محبت، پردہ پوشی اور رازداری پر قائم ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا

ترجمہ: "اور اگر تمہیں میاں بیوی کے مابین پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو، تو ایک ثالث مرد کے خاندان میں سے اور ایک ثالث عورت کے خاندان میں سے مقرر کر کے بھیجو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔"[31]

یہ قرآنی ثالثی کا نظام روٹھوں کو منانے اور محبتوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا کام کرتا ہے۔ بزرگ اپنے تجربے سے بات کو سنبھال لیتے ہیں۔ پسند کی شادی اور عدالتی نکاح میں اس قرآنی نظام کی مکمل عدم موجودگی ہوتی ہے۔ چھوٹی سی بات پر ہونے والی معمولی تکرار انا کے ایک بہت بڑے پہاڑ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چونکہ صلح کرانے والا کوئی تیسرا فریق یا خیر خواہ موجود نہیں ہوتا، اس لیے معاملہ سیدھا تھانوں اور فیملی کورٹس میں جا پہنچتا ہے۔ جو سفر بڑی محبت اور دعوؤں کے ساتھ ایک عدالت یعنی نکاح سے شروع ہوا تھا، وہ چند ہی مہینوں یا سالوں میں خاندانی تنہائی کے سبب دوسری عدالت یعنی خلع یا طلاق پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

شریعت نے طلاق کو اگرچہ ایک آخری راستے کے طور پر حلال رکھا ہے، لیکن یہ ایسا عمل ہے جس سے عرشِ الٰہی بھی کانپ اٹھتا ہے۔ خاندانی نظام کا ٹوٹنا اسلام میں کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ

ترجمہ: "اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"[32]

توقعات کے ٹوٹنے کا یہ افسوسناک عمل انسان کو اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ تمام حسین خواب جو محبت کے نام پر بنے گئے تھے، طلاق کے کاغذ پر دستخط ہوتے ہی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ انسان ساری زندگی کے لیے ایک نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے توقعات کے بکھرنے، امیدوں کے ٹوٹ جانے اور اپنوں کے دیے گئے اس کرب کو بڑے دردمندانہ انداز میں یوں پیش کیا ہے:

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو[33]

آج کے معاشرے میں پسند کی شادیوں میں طلاق کی بڑھتی ہوئی یہ خطرناک شرح مسلم معاشرے کے لیے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ انفرادی آزادی کا یہ مادر پدر آزاد بے لگام تصور اور والدین کی آمرانہ ضد، ان دونوں انتہاؤں نے مل کر اس خاندانی نظام کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے جو کبھی امن، سکون، مودت اور عفت کا سب سے بڑا گہوارہ تصور کیا جاتا تھا۔ خاندانی مسرت اور پائیداری صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب فرد کے حقوق کو شریعت کی مقرر کردہ حدود اور خاندان کے بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

خاندانی تنازعات کا حل

انسانی طبائع کا تنوع، سوچ کا فرق اور خیالات کا اختلاف ایک انتہائی فطری امر ہے۔ دنیا کے کوئی بھی دو انسان سو فیصد ایک جیسے مزاج کے حامل نہیں ہو سکتے۔ نکاح کے بعد جب دو مختلف خاندانی ماحول، الگ تربیت اور نفسیاتی پس منظر رکھنے والے افراد ایک چھت کے نیچے زندگی کا نیا آغاز کرتے ہیں، تو ان کے مابین مزاج کا ٹکراؤ اور چھوٹی موٹی رنجشیں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔ پسند کی شادی کے معاملات میں یہ ٹکراؤ بہت زیادہ شدت اختیار کر لیتا ہے۔ شادی سے قبل رابطوں کے دوران قائم کیا گیا رومانوی سراب جب عملی زندگی کی ٹھوس اور تلخ حقیقتوں سے ٹکراتا ہے تو تمام امیدیں اور توقعات بکھرنے لگتی ہیں۔

میاں بیوی جو کل تک محبت کے نشے میں ایک دوسرے کی بڑی سے بڑی خامیوں کو نظر انداز کر رہے تھے، اب شادی کے بعد کی ذمہ داریوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھنے لگتے ہیں۔ محبت کی جگہ شکوے لے لیتے ہیں۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے انسان کی اسی نفسیات، توقعات کے ٹوٹنے اور محبت کے اس تلخ انجام کو بڑی گہرائی سے محسوس کر کے بیان کیا ہے۔ جب محبت سر درد بن جائے تو انسان اس رشتے سے بھاگنے لگتا ہے:

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو[34]

شریعتِ اسلامیہ نے اس ناگزیر انسانی تصادم کو حل کرنے کے لیے ایک نہایت جامع، حقیقت پسندانہ اور نفسیاتی اصول عطا کیا ہے۔ اسلام میاں بیوی کو چھوٹی باتوں پر فوری طور پر مایوس ہونے یا رشتے کو ختم کرنے کی بجائے "افہام و تفہیم" یعنی باہمی مفاہمت، برداشت اور صبر کا راستہ دکھاتا ہے۔ انسان کی نگاہ عموماً شریکِ حیات کی خامیوں پر بڑی جلدی پڑتی ہے اور وہ اس کی اچھائیوں کو بھول جاتا ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس منفی سوچ کو ایک مثبت اور تعمیری زاویے میں بدلنے کی شاندار تعلیم دیتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ازدواجی زندگی کی خوشحالی کا یہ عظیم اصول ارشاد فرمایا:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ

ترجمہ: "کوئی مومن مرد کسی مومن عورت (اپنی بیوی) سے بغض نہ رکھے، اگر اسے اس کی کوئی ایک عادت ناپسند ہو گی تو کوئی دوسری عادت پسند آ جائے گی۔"[35]

یہ نبوی اصول ازدواجی زندگی میں قوتِ برداشت پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو خامیوں سمیت قبول کرنے کا سب سے بڑا نفسیاتی علاج ہے۔ جب میاں بیوی ایک دوسرے کی کمزوریوں کو درگزر کرنے اور قبول کرنے کے بجائے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں، تو معاملہ افہام و تفہیم کی حدود سے نکل کر شدید اختلاف یعنی شقاق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسے کڑے وقت میں اسلام خاندانی نظام کو متحرک کرتا ہے تاکہ گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔ شریعت نے عدالتوں کے چکر کاٹنے اور گھر کے رازوں کو سرِ بازار اچھالنے کے بجائے "تحکیم" یعنی ثالثی کا ایک باوقار اور نجی نظام پیش کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان خاندانی بزرگوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا

ترجمہ: "اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک ثالث عورت کے خاندان سے مقرر کر کے بھیجو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا اور باخبر ہے۔"[36]

مشہور مفسر امام قرطبی اس آیت کی نہایت بصیرت افروز تشریح میں لکھتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ خاندان کے بزرگوں کو ثالث مقرر کرنے کی اصل حکمت یہ ہے کہ وہ فریقین کے انفرادی مزاج، ان کے خاندانی پس منظر اور تنازعے کی پوشیدہ جڑوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ وہ عدالتوں میں بیٹھے اجنبی منصفوں کی طرح محض قانون اور ضابطے کی خشک زبان نہیں بولتے۔ وہ درگزر، محبت، پردہ پوشی اور صلہ رحمی کی بنیاد پر دلوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں[37]۔

پسند کی شادی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نوجوانوں نے خاندانی سرپرستی سے بغاوت کر کے اپنے لیے اس قرآنی ثالثی کے دروازے خود اپنے ہاتھوں سے بند کر دیے ہوتے ہیں۔ جب ان کے درمیان تنازع کھڑا ہوتا ہے تو فریقین کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور صلح کرانے والا کوئی بزرگ موجود نہیں ہوتا۔ یہیں پر بزرگوں کا امتحان شروع ہوتا ہے۔

خاندانی بزرگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ماضی کی ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بچوں کی لغزشوں کو کھلے دل سے معاف کریں۔ ٹوٹتے ہوئے گھروں کو بچانے کے لیے انہیں آگے بڑھ کر اپنا شرعی اور مربیانہ کردار ادا کرنا چاہیے۔

نتائجِ بحث

زیرِ نظر مقالے میں پسند کی شادی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خاندانی تنازعات کا اسلامی اصولِ نکاح کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جامع علمی و تحقیقی مطالعے کے بعد جو حقائق اور نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں، انہیں درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

- شریعتِ اسلامیہ میں نکاح کی صحت کے لیے عاقل اور بالغ لڑکے اور لڑکی کی رضامندی بنیادی شرط ہے، اور مرضی کے خلاف کیا جانے والا زبردستی کا نکاح اسلامی اصولوں کے قطعی منافی ہے۔
- موجودہ دور میں پسند کی شادی کا رجحان اکثر اوقات وقتی جذبات، میڈیا کی رومانوی منظر کشی اور انفرادیت پسندی پر مبنی ہوتا ہے، جس میں خاندانی اور زمینی حقائق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔
- اسلامی خاندانی نظام میں ولی (سرپرست) کا کردار آمرانہ نہیں بلکہ مشاورتی اور حفاظتی ہے، تاہم ولی کا بلاوجہ ذات پات یا مادی لالچ کی بنیاد پر جائز نکاح سے روکنا (عضلِ ولی) شرعاً حرام اور ظلم ہے۔
- نکاح میں کفاءت (برابری) کا حقیقی اسلامی معیار محض دینداری اور اخلاقِ حسنہ ہے، جبکہ مروجہ برادری ازم اور مادی و طبقاتی معیارات ہندوانہ رسوم کی باقیات ہیں۔
- خاندانی سرپرستی کے بغیر کی جانے والی پسند کی شادیوں اور خفیہ عدالتی نکاحوں میں خاندانی تعاون کے فقدان کے باعث تنازعات، طلاق اور خلع کی شرح روایتی شادیوں کی نسبت نمایاں حد تک زیادہ ہے۔
- معاصر خاندانی تنازعات کا اصل سبب افراط و تفریط ہے، جہاں نہ تو نوجوان نسل والدین کے تجربے کا احترام کرتی ہے اور نہ ہی والدین اپنی جھوٹی انا کو چھوڑ کر اولاد کے شرعی حقوق تسلیم کرتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز

موجودہ خاندانی بحران کے حل، طلاق کی بڑھتی شرح کی روک تھام اور خاندانی نظام کے استحکام کے لیے اس تحقیق کی روشنی میں درج ذیل عملی اور جامع سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- ریاستی اور سماجی سطح پر نوجوانوں کے لیے شادی سے قبل لازمی مشاورتی کورسز کا اہتمام کیا جائے تاکہ وہ ازدواجی حقوق و فرائض سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔
- والدین اور اولاد کے مابین فکری خلیج کو ختم کرنے کے لیے گھروں میں دوستانہ مکالمے کا ماحول پیدا کیا جائے، اور والدین خاندانی انا کے بجائے اولاد کی جائز شرعی پسند کا احترام کریں۔
- ذات پات، برادری اور جہیز جیسی فرسودہ روایات کے خاتمے کے لیے علمائے کرام منبر و محراب کے ذریعے معاشرے میں مؤثر شعور اور اسلامی اصولِ نکاح کی آگاہی بیدار کریں۔
- خاندانی جھگڑوں کو فوری عدالتوں میں لے جانے کے بجائے مقامی سطح پر مستند علمائے کرام اور بزرگوں پر مشتمل خاندانی مصالحتی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔
- ریاستی سطح پر عائلی قوانین اور فیملی کورٹس کے نظام میں اصلاحات کی جائیں تاکہ تنازعات کا فیصلہ جلد ہو، جبری شادیوں کو روکا جائے، اور غیر شرعی رکاوٹوں کا قانونی سدِباب کیا جائے۔
- تعلیمی اداروں کے نصاب (اسکول سے جامعات تک) میں 'اسلامی عائلی تعلیمات' کو لازمی مضمون کے طور پر شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کو ایک متوازن خاندانی زندگی گزارنے کی فکری تربیت مل سکے۔
- میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر خاندانی اقدار کو بگاڑنے والے ڈراموں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور ایسے مثبت پروگرام نشر کیے جائیں جو خاندانی رواداری، باہمی احترام اور سادگی نکاح کو فروغ دیں۔

حوالہ جات

[1] Ar-Rum: 21

[2] Al-Baqarah: 232

[3] الروم، 21:30

[4] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1964، جلد 14، ص 17

[5] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث: 1846

[6] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب النکاح، باب إکراہ البکر علی الزواج، حدیث: 5138

[7] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005، ص142

[8] Giddens, Anthony, The Transformation of Intimacy, Cambridge: Polity Press, 1992, 58

[9] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامراۃ الا ذو محرم، حدیث: 5233

[10] شاکر، پروین، خوشبو، لاہور: جہانگیر بکس، 2012، ص45

[11] قاسمی، احمد ندیم، جلال و جمال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2000، ص112

[12] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، کتاب النکاح، باب فی البکر یزوجہا أبوہا ولا یستأمرہا، حدیث: 2096

[13] Coulson, Noel J., A History of Islamic Law, Edinburgh: Edinburgh University Press, 1964, 14

[14] المرغیناني، علی بن ابی بکر، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدي، بیروت: دار احیاء التراث العربی، بے تاریخ، جلد 1، ص196

[15] فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، 2007، ص89

[16] الحجرات، 13:49

[17] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998، کتاب النکاح، باب ماجاء إذا جاءکم من ترضون دینہ فزوجوہ، حدیث: 1084

[18] الکاسانی، علاء الدین ابو بکر، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1986، جلد 2، ص317

[19] Esposito, John L., Women in Muslim Family Law, Syracuse: Syracuse University Press, 1982, 18

[20] اقبال، محمد، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1924، ص156

[21] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005، ص120

[22] البقرۃ، 232:2

[23] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب التفسیر، حدیث: 4529

[24] ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المغنی، قاہرہ: مکتبہ القاہرہ، 1968، جلد 7، ص24

[25] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، کتاب النکاح، باب فی الولی، حدیث: 2083

[26] فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، 2007، ص162

[27] محمد، 22:47

[28] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب الادب، باب اثم القاطع، حدیث: 5984

[29] Gottman, John, The Marriage Clinic, New York: W.W. Norton & Company, 1999, 45

[30] میر، میر تقی، کلیاتِ میر، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1990، ص210

[31] النساء، 35:4

[32] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریہ، بے تاریخ، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق، حدیث: 2178

[33] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005، ص89

[34] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2005، ص142

[35] مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1374ھ، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث: 1469

[36] النساء، 35:4

[37] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1964، جلد 5، ص174